مِلّتِ اسلامیہ : اکیسویں صدی کی دہلیز پر!

پروفیسر خورشید احمد

بیسویں صدی اپنی انتہا کی طرف تیزی سے پیش قدمی کر رہی ہے۔اس صدی کا آغاز اس حال میں ہوا تھا کہ مغربی سامراج کا سورج نصف النہار پر تھا۔مشین اور بھاپ کی قوت کا خمار' صنعتی انقلاب' انقلاب فرانس' امریکہ کی آزادی اور ترقی' یورپی اقوام کا تقریباً پوری دنیا پر غلبہ' عسکری میدان میں مغربی اقوام کے ناقابل شکست ہونے کا زعم---- غرض پوری دنیا اور خصوصیت سے عالم اسلام' جو مغرب کے جدید استیلا سے پہلے انیسویں صدی کے آغاز تک ایک عالمی قوت تھا' بیسویں صدی کی پہلی ہی چوتھائی میں یورپ کی استعماری طاقتوں کی پوری گرفت میں آ چکا تھا۔برطانوی سامراج دنیا کے ایک چوتھائی حصہ پر حکمران تھا جس میں مسلم دنیا کا بڑا حصہ بھی شامل تھا اور اسے یہ زعم تھا کہ نہ صرف برطانیہ دنیا کے سمندروں کی لہروں پر حکمران ہے بلکہ اس کا اقتدار اتنا وسیع اور اتنا گھمبیر ہے کہ اس میں سورج کبھی غروب نہیں ہوتا۔فرانس بھی افریقہ کے ایک تہائی حصہ پر اور مشرق بعید کے متعدد علاقوں پر اپنا جھنڈا لہرا رہا تھا۔اٹلی' اسپین اور پرتگال تک دنیا کے مختلف علاقوں پر قابض تھے اور یہ سب تمام دنیا کے وسائل کو اپنی معاشی' سیاسی اور تہذیبی قوت کو مستحکم کرنے اور ترقی دینے کے لیے گارے اور چونے کی طرح استعمال کر رہے تھے۔اسی طرح وسط ایشیا میں روسی استعمار نے زار کی قیادت میں' اسلامی تہذیب و تمدن کے اس عظیم گہوارہ کو اپنے شکنجے میں کس لیا تھا'کہیں مسلمان حکمرانوں اور سرداریوں (khanates) کو مکمل طور پر سرنگوں کر کے اور کہیں انھیں اپنا باجگزار بنا کر۔

مغربی استعمار کے سیاہ بادل پوری ملت اسلامیہ پر چھا گئے تھے اور چار سو تاریکی ہی تاریکی تھی۔ ترکی جو کبھی دولت عثمانیہ کی عالمی قوت وسلطنت کی علامت تھا اور جس کا سکہ مراکش سے لے کر وسطی یورپ تک چلتا تھا' اب یورپ کا ''مرد بیمار'' تھا۔جنگ ہائے بلقان اور پہلی عالمی جنگ کی شکست نے اسے پسپائی پر مجبور کیا اور اس کی حکمرانی کا دائرہ تنگ ہوتے ہوتے اناطولیہ اور اس کے قرب و جوار تک محدود ہو گیا۔اس مختصر دنیا میں بھی اسے اپنی بقا کی آخری جنگ لڑنی پڑی جس کے نتیجے میں کمالزم کی شکل میں اسے سیکولرزم کی قبا پہننی پڑی اور خلافت کی عبا کو تار تار کر کے اس نے بس اپنے سیاسی اور

جغرافیائی وجود کو بچالیا --- گو اس عمل میں اس کی دینی اور تہذیبی روح پراگندہ اور پژمردہ ہوگئی۔

مشرق وسطیٰ میں سامراجی نقشہ گروں نے اور ہی قیامت ڈھائی۔ عرب قومیت اور ذاتی اقتدار اور شان و شوکت کا جو سبز باغ برطانوی اور فرانسیسی بازی گروں نے زار روس کے مشورہ سے مشرق وسطیٰ کے مختلف علاقوں کی قیادتوں کو دکھایا وہ بالاخر قفس کی نئی زنجیروں کی شکل میں صورت پذیر ہوا۔ سائیکس۔ پی کوٹ معاہدہ (Sykes - Picot Agreement 1916) اور اعلان بالفور (Balfour Declaration 1917) کے مطابق مشرق وسطیٰ کا نیا نقشہ مرتب ہوا اور ایک درجن سے زیادہ، نیم جان، بے وقار اور یورپی اقوام کی دست نگر "ریاستیں" سیاسی نقشہ پر نمودار ہوئیں۔ اس طرح نہ صرف یہ کہ شرق اوسط کے حصے بخرے ہو گئے اور "اسرائیل" کی صیہونی ریاست کے قیام کے لیے زمین ہموار ہوئی جسے بالاخر اقوام متحدہ کی قرارداد کے ذریعے امریکہ، برطانیہ اور روس کی ملی بھگت سے ۱۹۴۸ میں مسلم دنیا کے سینے میں ایک خنجر کی شکل میں گھونپ دیا گیا اور اس طرح وہ تمام خاندان اور قیادتیں جو دولت عثمانیہ کے مقابلہ میں اٹھائی گئی تھیں اور جو اپنی "آزادی" اور "اقتدار" کا خواب دیکھ رہی تھیں ایک نئے سامراجی جال میں پھنس گئیں۔

مسلمان جو تقریباً ساڑھے بارہ سو سال تک ایک عظیم عالمی قوت تھے اپنی تاریخ میں پہلی بار عالمی قوت سے مکمل طور پر محروم ہو گئے اور چار نیم آزاد ملکوں (افغانستان، ترکی، یمن اور جزیرۃ العرب) کے سوا اس سیاسی قوت اور عالمی سطوت کا کوئی نشان باقی نہ رہا جو امت مسلمہ کا طرہ امتیاز تھا۔

یہ تھے وہ حالات جن میں ملت اسلامیہ نے بیسویں صدی میں اپنے سفر کا آغاز کیا۔

آج جب ہم پچھلے سو سال پر نگاہ ڈالتے ہیں اور اس وقت عالم اسلام میں زندگی کی جو نئی لہر دوڑ رہی ہے اور مستقبل کی تعمیر کے لیے جو ہمہ گیر جدوجہد برپا ہے اس کا جائزہ لیتے ہیں تو بے اختیار زبان سے نکلتا ہے وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ، وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ (آل عمران ۳: ۵۴) بے شک وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنے منصوبہ کو بروئے کار لا رہا تھا اور اللہ ہی بہترین منصوبہ ساز ہے!

عالمی سامراجی قوتوں نے تو منصوبہ یہ بنایا تھا کہ اب ملت اسلامیہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غیر موثر بنا دیا جائے گا۔ ماضی میں اگر یہ ملت ایک محاذ پر کمزور ہوئی تو ہمیشہ کسی دوسرے محاذ پر اس نے نئی قوت کا مظاہرہ کیا۔ اگر بغداد تخت و تاراج ہوا تب بھی مسلمان اسپین اور افریقہ میں غالب قوت تھے، اگر عربوں کی قوت ٹوٹی تو وسط ایشیا کی اقوام اسلام کا پرچم لے کر آگے بڑھیں، اگر دولت ہسپانیہ ریزہ ریزہ ہوئی اور قرطبہ اور غرناطہ دشمنوں کے آگے سرنگوں ہوئے تو بازنطینی سلطنت کی قوت مسلمانوں کے ہاتھوں پاش پاش ہوئی، قسطنطنیہ پر ہلالی پرچم لہرایا اور وہ دولت عثمانیہ کا مرکز اور اسلام کا گھر (اسلام بول

استنبول) بنا۔ ایشیا اور افریقہ میں اسلام کو نئی وسعتیں ملیں اور اس کا پرچم سربلند رہا۔ یہ تاریخی روایت اگر کہیں ٹوٹی تو وہ دور حاضر ہے جس میں کسی ایک مقام پر نہیں ' یا کسی ایک میدان میں نہیں 'بلکہ تقریباً ہر میدان میں غیر مسلم اقوام کو امت مسلمہ پر غلبہ حاصل ہو گیا اور تاریکی اپنی آخری حدوں کو چھو گئی۔ لیکن جس طرح رات کے بطن سے صبح نمودار ہوتی ہے اسی طرح اللہ کی مشیت سے گزشتہ پچاس سال میں امت مسلمہ اس پستی اور محکومی سے نکل کر دوبارہ اپنے عالمی رول کی بازیافت کا سفر شروع کر چکی ہے۔

مسلمان اس وقت دنیا کی آبادی کا تقریباً ۲۲ فی صد ہیں یعنی ایک ارب اور تیس کروڑ۔ ان میں سے ۹۰ کروڑ ان ۵۲ آزاد مملکتوں میں رہ رہے ہیں جو اب اقوام متحدہ اور آرگنائزیشن آف اسلامک کانفرنس (OIC) کا حصہ ہیں اور تقریباً ۴۰ کروڑ دنیا کے باقی علاقوں میں ہیں 'لیکن اس شان کے ساتھ کہ صرف ایک ملک یعنی ہندوستان میں مسلمان ۱۵ کروڑ سے زیادہ ہیں۔ آج دنیا کا کوئی ملک یا حصہ ایسا نہیں ہے جہاں مسلمان موجود نہ ہوں 'بلکہ یورپ اور امریکہ کے ان ممالک میں بھی جہاں ماضی میں کبھی مسلمانوں کی کوئی معتد بہ تعداد نہ تھی ' آج مسلمان آبادی کا ایک واضح حصہ ہیں۔ عالمی انتقالِ آبادی کے نتیجہ میں اہلِ اسلام ان مقامات پر بھی پہنچ گئے ہیں جو صدیوں سے دعوتِ اسلام سے محروم تھے۔ مسلمانوں کی یہ عددی پوزیشن اور اس کا جغرافیائی محلِ وقوع مِلّتِ اسلامیہ کی عالمی حیثیت کا ایک اہم مظہر ہے۔

پھر اگر ان آزاد علاقوں پر جغرافیائی اور سیاسی حکمت عملی (Geo-Strategic) کے نقطہ نظر سے نگاہ ڈالی جائے جہاں مسلمانوں کو سیاسی اقتدار حاصل ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت دنیا کا تقریباً ایک چوتھائی علاقہ مسلمانوں کے زیر حکمرانی ہے۔ جو ایک طرف مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک اور قازقستان سے لے کر ترکی اور بوسنیا تک محیط ہے۔ یہ دو بڑے بڑے جغرافیائی علاقوں پر مشتمل ہے۔ افریقہ میں مسلمانوں کو ملکوں اور آبادی دونوں اعتبار سے اکثریت حاصل ہے۔ مراکش 'سینگال سے لے کر پاکستان اور وسط ایشیا تک ایک عظیم سلسلہ ہے اور بنگلہ دیش سے انڈونیشیا تک دوسرا اہم خطہ ہے۔ سمندری ' بری اور ہوائی رابطہ اور سفر کے ہر راستہ میں اس علاقے کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ بحیرہ روم ایک مسلم جھیل کی مانند ہے ' بحر احمر اور بحر کیسپین مسلم ممالک کی آغوش میں ہیں۔ بحر ہند اور بحر اوقیانوس مسلم ساحلوں سے ہم کنار ہیں۔ درہ دانیال ' سویز ' پورٹ سعید ' جبوتی اور عدن دنیا کے اہم ترین سمندری دروازے ہیں جن پر مسلمان ممالک کو تسلط حاصل ہے۔ زرعی وسائل ' معدنی دولت ' تیل ' بجلی ' کوئلہ ' لوہا ' یورینیم ' ٹن ' ربر ' تانبہ ' غرض جس اہم دھات کی ضرورت ہو وہ مسلم دنیا کے کسی نہ کسی علاقے میں موجود ہے۔ تعلیم اور معاشی اور سماجی ہیکل اجتماعی (infra-structure) کے اعتبار

سے بھی مسلم ممالک میں سے کم از کم ایک چوتھائی اس مقام پر ہیں جہاں وہ نہ صرف یہ کہ اجتماعی خود کفالت حاصل کر سکتے ہیں بلکہ باقی مسلم ممالک کی معاشی اور سائنسی ترقی میں بھی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ ترکی آج ایف-۱۶ بنا رہا ہے' الجزائر' مصر' ایران' ترکی' پاکستان' بنگلہ دیش' ملیشیا اور قازقستان معاشی ترقی کے اس مقام پر ہیں جہاں وہ اپنے وسائل سے اپنی اور باقی مسلم دنیا کی ترقی کا سامان کر سکتے ہیں۔ پاکستان نے ایٹمی توانائی کے میدان میں مغربی ممالک کی مخالفت اور عدم تعاون کے باوجود سات سے آٹھ سال میں وہ کچھ حاصل کر لیا جو خود مغربی اقوام نے اس سے دوگنے وقت میں حاصل کیا تھا۔ ۱۹۷۲ اور پھر ۱۹۸۰ میں تیل کی قیمتوں میں جو تبدیلی آئی اس نے دنیا کے معاشی توازن قوت کو مسلم ممالک کے حق میں تبدیل کر دیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ان ممالک کی قیادت اپنی غلط کاریوں کی وجہ سے اس عظیم قوت سے پورا فائدہ نہ اٹھا سکی لیکن یہ امر ناقابل انکار ہے کہ اب عالمی معاشی توازن قوت میں امت مسلمہ کو ایک مرکزی اور بھاری حیثیت حاصل ہے جسے کوئی نظرانداز نہیں کر سکتا۔

بات صرف انسانی' سیاسی اور معاشی قوت ہی کی نہیں--- سب سے اہم چیز یہ ہے کہ اس تبدیلی کے لانے میں سب سے اہم عنصر امت مسلمہ کی اپنے دینی اور نظریاتی وجود کی شناخت ہے۔ یہ صدی احیائے اسلام کی صدی ہے۔ سیاسی اور معاشی پہلو تو اس کے صرف ایک جزو کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جب پستی اپنے انتہا کو پہنچی تو اس نے امت اور اس کے سوچنے سمجھنے والے عناصر کو اس سوال پر غور کرنے پر اکسایا کہ ہمارا یہ زوال کیوں واقع ہوا ہے اور امت دوبارہ کیسے اٹھ سکتی ہے؟

دشمنوں کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو سیاسی حیثیت سے محکوم کرنے اور ان کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں' قوموں اور قومیتوں میں تقسیم کر کے نیز ان پر سیکولر نظام کو اوپر سے قوت کے ذریعے مسلط کر کے' اقتدار کی کنجیاں ایک نئی سیکولر قیادت کو سونپ کر اور عالم اسلام میں مغرب کے سیاسی' معاشی' تعلیمی اور تہذیبی اداروں کو فروغ دے کر ہمیشہ کے لیے خاموش کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اللہ کی مشیت کچھ اور ہی تھی۔ پستی اور محرومی کی یہ انتہا ایک تازیانہ بن گئی۔ موڈرنزم اور لبرلزم کی آندھیاں بھی ایمان کی اس شمع کو نہ بجھا سکیں جو ملت کے سینہ میں روشن تھی۔ محکومی کی آخری تہہ کو چھونے کے بعد ملت نے پھر بیداری کی کروٹ لی اور نشاۃ ثانیہ کی تلاش میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ پھر اپنی اصل کی طرف لوٹی۔ اللہ کے چند برگزیدہ بندوں نے اسے پھر اپنی تاریخی بنیاد پر تعمیر نو کی دعوت دی' اللہ سے جڑنے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کو تھامنے کے لیے پکارا۔ قرآن اور حدیث کو رہنمائی کا مرکز اور منبع بنانے کی تحریک کی' غلامی کی زنجیروں کو توڑنے اور شریعت کی بالادستی کے لیے اجتہاد اور جہاد کے راستہ کی طرف بلایا' اسباب زوال کی نشاندہی کی' مغرب کے فکری طلسم کا پردہ چاک کیا' اس کی قوت کے اصل راز کی نشاندہی کی اور اس کے ذریعہ رونما ہونے والے تہذیبی' نظریاتی اور اخلاقی بگاڑ سے

بھی آگاہ کیا اور دین پر مبنی ترقی اور خود انحصاری کی راہ کی نشاندہی کی اور ایک بار پھر تاریخ یہ گواہی دینے لگی کہ:

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا، جتنا کہ دبا دیں گے

آج احیائے اسلام کی عالمی رو کے دو نمایاں پہلو نظر آتے ہیں۔ایک اس کا وسیع ترین اظہار ہے جو سیاسی آزادی، معاشی ترقی، تعلیمی فروغ، مغرب کے خلاف ثقافتی بے زاری، مسلم ممالک میں اتحاد اور تعاون کو نئی راہوں کی تلاش، عالمی سطح پر نئے سیاسی اور معاشی اداروں کا قیام جیسے آرگنائزیشن آف اسلامک کانفرنس (OIC)، اسلامی ترقیاتی بنک، اسلامی چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری، بین الاقوامی اسلامی جامعات (اسلام آباد، کولالمپور، نائجر، یوگنڈا وغیرہ)، اسلامی بنکوں کا عالمی الحاق (۱.۵ بلاسودی بنک جس کا کل اثاثہ ۸۰ بلین ڈالر سے متجاوز ہے) المجمع الفقه الاسلامی اور اسی نوعیت کے دسیوں اداروں کی صورت میں ہو رہا ہے جو امت کے اتحاد اور نظریاتی بیداری کی علامت ہیں۔

دوسری طرف اس وسیع تر احیا کی پشت پر جو اصل فکری اور دعوتی قوت ہے، وہ اس جہاز کے لیے لنگر کی حیثیت رکھتی ہے، اسے بھی سمجھنا بہت ضروری ہے۔یہی وہ قوت ہے جس نے گزشتہ سو سال میں نظریاتی اور تہذیبی نقشہ کو تبدیل کرنے میں تاریخ ساز کردار ادا کیا ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں سید احمد شہید، شاہ اسماعیل شہید کی دعوت جہاد نے، بنگال میں حاجی شریعت اللہ کی فرائضی تحریک نے اور پھر الطاف حسین حالی، شبلی نعمانی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا محمد علی جوہر نے فکری، اخلاقی، تہذیبی اور بالآخر سیاسی محاذوں پر مسلمانوں کو ایک بار پھر سرگرم عمل کر دیا۔اور احیائی تحریک علامہ محمد اقبال اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی علمی اور فکری مساعی اور قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں تحریک پاکستان کی شکل میں ملک گیر سیاسی تحریک کے ذریعہ ایک نئے فراز سے ہم کنار ہوئی اور بالآخر ۱۹۴۷ء میں مسلمانوں کی ایک آزاد مملکت اسلام کے نام پر قائم ہوئی۔

تجدید و احیا کی یہ تحریک پورے عالم اسلام میں مختلف رنگوں میں اور مختلف ناموں سے رونما ہوئی۔سامراج سے آزادی کی جنگ ہر جگہ لڑی گئی اور اس کا اولین محرک اسلام اور مسلمانوں کے اسلامی تشخص کی حفاظت اور ترقی تھا۔گو بظاہر یہ جنگ قومیت کے نام پر بھی لڑی گئی لیکن اس حقیقت کے دوست اور دشمن دونوں معترف ہیں کہ اسلامی دنیا میں قومیت کے پیچھے اصل کارفرما روح اسلام اور صرف اسلام تھا۔مشہور مستشرق پروفیسر کینٹول اسمتھ نے اپنی کتاب "اسلام ان موڈرن ہسٹری"
(Islam in Modern History, Princeton University Press 1957, p 77)

میں اس امر کا صاف لفظوں میں اعتراف کیا ہے کہ: "دنیا کے کسی بھی علاقہ میں مسلمانوں نے قومیت کے کسی ایسے تصور کو قبول نہیں کیا ہے جس میں وفاداری کا مرکز و محور اسلام کی حدود سے باہر کوئی ہیئت ہو"۔ نیز یہ کہ "(جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے) ماضی میں صرف اور صرف اسلام ہی وہ قوت ہے جس نے اس قوم کو ڈسپلن، قوت اور امنگ اور آدرش فراہم کیا ہے"۔

عرب دنیا میں جمال الدین افغانی، محمد عبدہ، محمد رشید رضا اور بالآخر اخوان المسلمون کے بانی امام حسن البنا شہید نے احیائی تحریک کی قیادت اور آبیاری کی، ترکی میں سعید نورسی، عدنان مندریس اور نجم الدین اربکان نے سیکولرزم کی خاک میں دبی ہوئی امت مسلمہ کی چنگاری کو ایک روشن تحریک کی شکل میں زندہ کیا۔ شمالی افریقہ میں عبدالقادر الجزائری، احمد بادیس، ابراہیم الجزائری، سنوسی، مالک بن نبی اور آج عباس مدنی، احمد بالحاج اور راشد غنوشی نے اسلامی احیائی تحریک کو نئی بلندیوں سے روشناس کیا۔ سوڈان میں مہدی سوڈانی اور اس کے بعد انصار اور اخوان المسلمون نے زندگی کی لہر دوڑائی اور آج ڈاکٹر حسن ترابی کی مجاہدانہ قیادت میں سوڈان ایک منفرد تجربہ میں مصروف ہے۔ ایران میں امام خمینی، آیت اللہ منتظری، آیت اللہ طلیقانی، اور ڈاکٹر علی شریعتی کی دینی اور عوامی تحریک نے ایک نئے دور کا آغاز کیا۔

تحریک اسلامی کا اساسی کام اور عمومی اسلامی احیا کی عالمگیر لہر--- یہ ہے وہ قوت جو امت مسلمہ کے مستقبل کی تعمیر کر رہی ہے۔ بلاشبہ یہ دور کشمکش کا دور ہے اور اس کشمکش کے نتیجہ میں ایک نیا دور وجود میں آنے کی جدوجہد میں مصروف ہے۔ لیکن مستقبل اس اسلامی احیائی تحریک کا ہے نہ کہ سامراج کی باقیات کا، جن کا مقدر آخری شکست ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج اسلام کو مغربی اقوام اور ان کے مقامی ہمنواسب سے بڑا خطرہ سمجھ رہے ہیں۔ امریکہ کے سابق صدر رچرڈ نکسن اور رونلڈ ریگان سے لے کر نیٹو کے سابق اور حالیہ سیکرٹری جنرل تک اور پالیسی ساز اداروں پر اثر انداز ہونے والے دانشوروں کی ایک فوج ظفر موج اس مہم پر لگی ہوئی ہے کہ اشتراکیت کے زوال کے بعد اسلام اور امت مسلمہ کے اسلامی احیا کو ایک خطرہ کے طور پر پیش کرے اور مغربی اقوام اور امت مسلمہ کو تصادم کی راہ پر ڈال دے۔ امریکہ میں اگر اوکلاہاما کے مقام پر دہشت گردی کا مظاہرہ ہوتا ہے تو بلاتحقیق اسے اسلام کے نام لگا دیا جاتا ہے۔ بوسنیا میں مسلمان اکثریت والی حکومت کو اس لیے گوارا نہیں کیا جاسکتا کہ اس طرح یورپ کے قلب میں ایک مسلمان ریاست وجود میں آجائے گی۔ اسرائیل سے جبری صلح کے لیے سارے حربے استعمال ہو رہے ہیں اور عرب دنیا کی منڈیوں کو اسرائیل کے سرمایے اور مصنوعات کے لیے کھولنے پر مجبور کیا جارہا ہے۔ جہاد افغانستان کے نتیجے میں مشرقی یورپ کی اقوام آزاد ہوئیں، برلن کی دیوار گر گئی، روس ایک عالمی قوت کے مقام سے گر کر مغربی اقوام اور ورلڈ بنک کا مقروض بن گیا،

وسط ایشیائی مسلمان ریاستیں آزاد ہوگئیں اور اشتراکیت کا عالمی بت ٹوٹ پھوٹ گیا لیکن خود افغانستان کے لوگوں کو اس جہاد کے ثمرات سے محروم رکھا جا رہا ہے اور وہی مسلمان جو کل مجاہد تھے آج "فنڈ امنٹلسٹ" بن گئے ہیں اور وہی "عرب افغان" جو کل آنکھ کا تارا تھے، آج ان کے وجود کو خطرہ بنا کر پیش کیا جا رہا ہے اور خود عرب ملک ان کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ جمہوریت کا درس دیا جاتا ہے مگر الجزائر میں اسلامی تحریک کو اگر جمہوری ذرائع سے کامیابی حاصل ہوتی ہے تو قوت سے اس کا راستہ روک دیا جاتا ہے۔ اور یہ سب کچھ ایک نادیدہ اور تصوراتی "خطرہ" کے پیش نظر!

امتِ مسلمہ کا مغرب کی اقوام کے ساتھ کوئی علاقائی جھگڑا نہیں۔ یہ امت صرف یہ حق مانگ رہی ہے کہ اسلامی دنیا میں اپنے عقیدہ، تہذیب اور تاریخ کے مطابق اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تعمیر کرے۔ وہ اپنے گھر کی اصلاح کو اپنا پہلا اور اصل ہدف قرار دیتی ہے لیکن اس تعمیرِ نو کو مغرب ایک خطرہ بنا کر پیش کر رہا ہے ـــــ آخر کیوں؟

ہماری نگاہ میں اس کی اصل وجہ اسلام کے بارے میں علم کی کمی اور تعصب کی عینک کے علاوہ مغرب کا یہ احساس بھی ہے کہ اس کے پاس اب انسانیت کو دینے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ سیکولر تہذیب کا تجربہ ناکام ہو چکا ہے۔ مغربی تہذیب نے چار پانچ سو سال تک دنیا پر حکمرانی کی ہے لیکن وہ ایک منصفانہ اور مبنی برحق نظام قائم نہیں کر سکی۔ اس نے مشینی دنیا میں تو بے پناہ ترقی کی اور معاشی دولت کے بھی انبار لگا لیے لیکن انسانی زندگی کو خیر، سکون، انصاف اور امن و آشتی سے مالا مال نہ کر سکی۔ آج بھی دنیا کی آبادی کا ایک چوتھائی، دو وقت کی روٹی سے محروم ہے۔ خود مغربی ممالک میں غربت کا تناسب ۱۴ اور ۱۵ فیصدی پر پہنچ گیا ہے۔ اور اوسط بے روزگاری ۱۰ فیصد سے زیادہ ہے۔ علم طب کے میدان میں ہوش ربا ترقی ہوئی ہے مگر نت نئی بیماریوں نے انسانیت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔

خاندانی نظام درہم برہم ہے، نکاح سے باہر پیدا ہونے والی اولاد اب رشتہ ازدواج میں پیدا ہونے والے بچوں سے بڑھ گئی ہے اور ایک ماں باپ کے خاندان (single parent family) کا تناسب امریکہ میں اب ۴۰ فی صد اور یورپ میں ۳۰ فیصد تک پہنچ رہا ہے۔ جرائم کا طوفان ہے جو معاشرہ کو اپنی گرفت میں لے رہا ہے اور نوجوان نسل خاص طور پر بے راہ روی کا شکار ہے۔ دولت کی فراوانی کے باوجود ذہنی بیماریاں اور خودکشی روز افزوں ہیں۔ اور فلسفہ تاریخ کے ماہر مضطرب ہیں کہ شاید یہ تہذیب اب اپنے آخری دورِ زوال کی طرف تیزی سے بڑھ رہی ہے اور وہ تہذیب جس نے انسان کو ہواؤں میں پرندوں کی طرح اڑنا اور سمندروں میں مچھلیوں کی طرح تیرنا سکھایا، وہ اسے زمین میں انسانوں کی طرح رہنے کے لائق نہ بنا سکی۔ بقول اقبال ؎

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا

یہ مغرب کے دل کا چور ہے جو اسے اسلام اور اسلامی قوتوں سے خائف کر رہا ہے ورنہ عملاً اس وقت نہ مسلمان عسکری اعتبار سے اس کے لیے خطرہ ہیں اور نہ سیاسی یا معاشی اعتبار سے۔

جس میدان میں اصل مقابلہ ہے' وہ نظریاتی اور اخلاقی میدان ہے۔ یہاں مغرب اب ایک استعمال شدہ کارتوس کے مانند ہے جس کے پاس انسانیت کو دینے کے لیے کوئی نیا پیغام اور کوئی نیا نظام نہیں اور یہی وہ میدان ہے جس میں اسلام انسان کو اس غار سے نکال سکتا ہے جس میں مغربی تہذیب نے اسے ڈال دیا ہے۔ اسلام انسان کو ایک واضح آدرش' ایک پرکشش منزل اور مستقبل کی زندگی کا ایک روح پرور تصور دیتا ہے۔ اس نظریہ اور پیغام کو پھیلانے کے لیے نہ کبھی ماضی میں کسی تلوار کی قوت درکار تھی اور نہ آج کسی فوجی قوت کی حاجت ہے۔ یہ تو انسانوں کی روح کے لیے پیغام ہے۔ یہ تو اس خلا کو پر کرتا ہے جس میں آج انسان اپنے کو حیران و سرگرداں پاتا ہے۔ اور یہی چیز مغرب کے لیے اسلام کو خطرہ بنا رہی ہے' حالانکہ یہ تو ساری انسانیت کے لیے ایک پیغام رحمت ہے اور اس کا تعلق مشرق یا مغرب سے نہیں' پوری انسانیت سے ہے۔ کچھ عرصہ قبل لندن سے شائع ہونے والے مجلّہ اکانومسٹ نے ۱۹۸۹ میں اشتراکیت کے زوال اور دیوار برلن کے انہدام کی روشنی میں انسانیت کے ماضی اور مستقبل کا جائزہ لیا تھا اور اس میں اس بات کا خصوصیت سے ذکر کیا تھا: اشتراکیت کے سقوط سے یہ مفہوم نہیں نکالا جاسکتا کہ مغربی تہذیب کے پاس انسانیت کے لیے کوئی مثبت پیغام موجود ہے ــــ اس خدشہ کا اس نے ذکر کیا تھا کہ اسلامی اور عیسائی بنیاد پرست یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس انسانیت کے لیے ایک نیا پیغام ہے!

اسلام انسانیت کے لیے جو پیغام دیتا ہے اسے خطرہ سمجھنا نہ صرف یہ کہ ایک شدید قسم کی نادانی ہے بلکہ یہ ایک قسم کی خودکشی ہوگی کہ جو پیغام انسانیت کو تباہی سے بچا سکتا ہے اور جو تحریک تاریخ کو ایک نئے دور سے روشناس کرا سکتی ہے' اسے اپنا دوست اور مشکل کشا سمجھنے کی بجائے خطرہ اور دشمن سمجھا جانے لگے۔

مغرب کے دانش وروں کو یہ بات بھی سمجھنی چاہیے کہ جہاد قوت کے بے محابا استعمال کا نام نہیں ہے۔ جہاد تو انسانی زندگی کو ایک مثبت مقصدِ حیات کے حصول کے لیے ڈسپلن کرنے اور جدوجہد پر لگانے کا نام ہے۔ یہ تو ایک تعمیری قوت ہے جو انسانی زندگی کو اعلیٰ مقاصد حیات کی خدمت کے لیے

وقف کرنے کا ذریعہ بنتی ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے افغانستان کے نہتے مجاہدوں نے روسی استعمار کے دانت کھٹے کر دیے اور تاریخ کے رخ کو موڑ دیا، یہی وہ جذبہ ہے جس نے فلسطین میں انتفادہ کو جنم دیا اور اسرائیل کی ناقابل تسخیر قوت پر ایسی ضرب پڑی کہ اسے پی ایل او کی معاونت حاصل کرنے اور صلح اور مصالحت کی طرف آنا پڑا۔ یہی وہ قوت ہے جس نے کشمیر، تاجکستان اور شیشان میں سیکڑوں گنا زیادہ طاقتور مدمقابل کو بے اثر کر دیا۔ یہ ایک انسان ساز اور تاریخ گر قوت ہے۔ اسے ایک منفی قوت سمجھنا اور اسی انداز میں پیش کرنا انسانیت کی خدمت نہیں اس کے ساتھ ظلم ہے۔

امریکہ آج دنیا کی سب سے بڑی عسکری قوت ہے۔ معاشی اعتبار سے بھی، دنیا کی آبادی کا صرف ۶ فی صدی رکھنے کے باوجود وہ دنیا کی معیشت کے ۲۵ فی صدی کی مالک ہے۔ لیکن اس کے باوصف وہ ویت نام کے عام انسانوں کا مقابلہ نہ کر سکا اور جب ۵۰ ہزار کے قریب اس کے فوجی ہلاک ہوئے تو اس نے پسپائی کو ترجیح دی۔ خلیج کی جنگ میں امریکہ اور اس کے ۲۹ حلیف ممالک نے بہترین ٹیکنالوجی کے باوجود ایک کمزور حریف کے مقابلہ کے لیے امریکہ نے اپنی کل عالمی ہوائی Tactical قوت کا ۷۰ فی صدی اور کل ٹینک پاور کا ۴۰ فی صد استعمال کیا تاکہ انسانی جانی نقصان کم سے کم ہو ورنہ اس کے منصوبہ سازوں کا اندازہ تھا کہ اگر دو ہزار جنازے (coffins) امریکہ پہنچے تو امریکہ کو اپنی فوجیں واپس بلانا ہوں گی۔ یہی صومالیہ میں ہوا کہ جب سوپر پاور کے ۲۳ فوجی ہلاک ہوئے تو اس نے اپنی فوج واپس بلانے کو ترجیح دی۔ مغربی اقوام کی محض عسکری قوت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اب وہ دنیا کو محض فوجی طاقت سے اپنے قابو میں رکھ سکتی ہیں۔ حالات بہت بدل گئے ہیں اور ایمان، اعلیٰ اخلاقی قوت اور جذبہ جہاد سے سرشار کسی امت کو غلام بنانا اور محکوم رکھنا کسی طرح بھی ممکن نہیں۔

ان حالات میں صاف نظر آرہا ہے کہ اسلامی تحریک ہی ان شاء اللہ مستقبل کی صورت گری کرے گی۔ بلاشبہ ابھی اسے بڑے اہم مراحل طے کرنے ہیں۔ اسے اپنی اخلاقی، علمی اور عوامی قوت کو فروغ دینا ہے اور مسلمان ملکوں پر جو قیادت مغرب کے زیر اثر مسلط ہے اس سے نجات پانا ہے۔ جس وقت عوام اور قیادت ایک ہی نظریہ اور ایک ہی منزل کے لیے سرگرم عمل ہوں گے اور ہماری قوتیں باہم کشمکش کی جگہ نئی زندگی کی تعمیر اور تہذیبی میدان میں ایک نیے نمونہ اور مثال کو پیش کرنے کے لیے وقف ہوں گی تو حالات تیزی سے بدلیں گے۔ اس کے لیے ایمان، عزم اور مسلسل جدوجہد کی ضرورت ہے۔ اس سے ان شاء اللہ امت اکیسویں صدی میں ایک نئے اور روشن مستقبل کی تعمیر کر سکے گی۔

تیز ترک گام زن منزل ما دور نیست!